Regd. No. A. 621
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

چندہ سالانہ [illegible]
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
[illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۶ | علی گڈھ - یکم اگست ۱۹۵۷ء | شمارہ ۲۹

ادب میں عقلیت پسندی

پریم چند کے تصورات سے

قمر رئیس

ادب اور زندگی میں عقل و جذبہ اور جنون و حکمت کی بحث آج بھی کچھ ایسی پرانی نہیں ہے۔ اس سوال کی صورتیں بدلتی رہی ہیں لیکن ان کی تہ میں اصل مسئلہ یہی رہا کہ ادب اور اس کی تخلیق کی راہیں عقل و خرد یا حکیمانہ شعور سے متعین ہونا چاہئے یا جذبات، احساسات اور جنون و عشق سے۔ اقبال عقل کی تشکیک اور اندیشہ ہائے دور و دراز سے ہمیشہ خوفزدہ رہے ہیں اور اس کے مقابلے میں انھوں نے بے محابا عشق یا جذب و نظر کے گیت گائے ہیں

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

لیکن اس کے باوجود وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

اور یہی حکیمانہ نظر جو خرد کا عطیہ ہے۔ اقبال کی شاعرانہ عظمت کا اصل راز ہے۔ اس کے برخلاف ان کے استاد داغ دہلوی کی شاعری سرتاپا جذبات کی نغمہ سامانیوں میں اسیر نظر آتی ہے جس کی طرف خود اقبال نے مرثیہ داغ میں اشارہ کیا ہے۔

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون

واقعہ یہ ہے کہ اقبال اگر کسی اردو شاعر کے تلمذ سے بہرہ مند ہوئے ہیں تو وہ غالب ہیں نہ کہ داغ۔ غالب کی شاعری میں جذبہ کے متوازن احترام کے ساتھ ہی تشکیک اور تخیل کا جو احساس اور فکر و نظر کی جو روح رہی ہے۔ اقبال نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ غالب اور اقبال کے بعد اردو میں ایسے شاعر کم ہی ہیں جنھوں نے عقل و جذبہ کے توازن اور امتزاج سے فن کے چراغوں کو روشن کرنے کی کوشش کی ہو بلکہ اس نتیجہ سے اردو شعر و ادب کے سرمایہ کو واضح طور پر دو دبستانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک میں جذب و جنوں اور احساس و تاثر کا غلبہ ہے اور دوسرے پر عقل و شعور اور حکمت و استدلال کی حکومت ہے۔ مثال کے طور پر اردو افسانہ ہی پر نظر ڈالئے ایک طرف سجاد حیدر یلدرم، مجنوں گورکھپوری اور نیاز فتح پوری کے افسانے ہیں جن کی تحریک اور تعمیر جذبہ اور شدید جذبہ کی رہین منت ہے۔ اور دوسری طرف ڈاکٹر نذیر احمد، پریم چند، سدرشن اور علی عباس حسینی کی کہانیوں کا جائزہ لیجئے۔ تو ایک اور ہی عالم نظر آئے گا۔ یہاں عشق کا دامن پکڑ کر ہم کسی تخیلی یا رومانی فضا میں پرواز نہیں کر سکتے بلکہ عقل و شعور کی رہنمائی میں زندگی کے ٹھوس اور کہیں کہیں تلخ اور خشک حقائق سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عقل جذبہ کی طرح معصوم نہیں ہے کیونکہ اقبال کے الفاظ میں حیلہ گر ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے اس کی رہبری پر زیادہ دیر تک اور زیادہ دور تک اعتماد نہیں کر سکتے۔ انسان نے اس آئینہ میں کبھی کبھی اپنی انتہائی بربریت اور بے انصافی کا جواز بھی تلاش کر لیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار بھی مشکل ہے کہ اسی عقل کے سہارے انسان کو اپنے وجود اور اپنی لامحدود قوتوں کا عرفان حاصل ہوا ہے۔ اس نے اس کی رہنمائی میں تسخیر فطرت کی لاتعداد مہمات سر کی ہیں اور آج تہذیبی، ذہنی اور مادی و معاشرتی ترقی کی اس منزل تک پہنچا ہے۔ ارتقا کے ان کرشموں میں جذب و جنون کی کارفرمائی بھی رہی ہے اور وہ اس حد تک کہ اس نے بڑی سے بڑی آفت اور آزمائش میں بھی انسان کی رگوں میں عمل اور استقامت کی روح بیدار رکھی اور اسے زندگی کرنے کے حوصلے دیتا رہا۔

ادب کا مقصد خواہ حسن و صداقت کی تلاش ہو خواہ تزکیۂ نفس یا تعبیر و تنقید حیات، اس سوال سے انحراف ممکن نہیں کہ اس کے حصول کا ذریعہ کیا ہوگا؟ کیا صرف جذبہ کی معصومیت تاثر کی شدت اور احساس کی نزاکت فنکار کو تخلیق کے فرائض سے عہدہ برآ کر سکتی ہے۔ اور کیا وہ اپنے تجربات کو عقل و ادراک کی روشنی میں دیکھے بغیر ان کی نوعیت اور صحت پر سوچے سمجھے بنا اعتماد اور کامیابی کے ساتھ فنی تکمیل کے لباس میں پیش کر سکتا ہے؟

ذیل کے مضمون میں پریم چند نے اپنے سیدھے سادے اسلوب اور انداز میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس مختصر سے جائزہ میں انھوں نے کسی فلسفیانہ مسئلہ پر گہرائی کے ساتھ نہیں سوچا ہے بلکہ موضوع کے عملی اور سماجی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے اور ہماری روز مرہ کی زندگی سے مثالیں پیش کی ہیں۔ آج ہمیں ان کی بہت سی باتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے مطالعہ سے کم از کم اتنا علم تو ہو ہی جاتا ہے کہ اب سے بیس پچیس سال قبل ہمارے ادیب ان موضوعات پر کس انداز سے سوچتے تھے اور پریم چند نے جس نقطۂ نظر سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے اس کا عکس ان کی تخلیقات میں کس حد تک ملتا ہے؟

ترجمہ

جب قدم قدم پر ہمیں عقل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور عقل کو طاق پر رکھ کر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تو ادب اس سے کیونکر گریز کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم زندگی کے ہر مسئلے کو عقل ہی کی عینک لگا کر دیکھیں تو زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔ جذبات کو سیدھے راستے پر رکھنے کے لئے عقل کا سہارا ناگزیر ہے۔ ورنہ آدمی بڑی مشکلات میں گرفتار ہو جائے۔ اسی طرح عقل پر دل کی پاسبانی بھی ضروری ہے۔ ورنہ آدمی راکشس ہو سکتا ہے۔ عقلیت ہر ایک چیز کو افادیت کی کسوٹی پر پرکھتی ہے یہ درست ہے۔ اگر زندگی میں ادب کا کوئی مقصد نہ ہو تو وہ ایک بیکار اور بے مصرف چیز ہے اور وہ مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ خوشحال اور کامیاب بنائے۔ زندگی کے مسائل کو سلجھانے میں مدد دے یا جینیندر جی کے الفاظ میں زندگی اور فطرت میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ محض جذب و جنوں سے ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکتے اور نہ عقل ہی تنہا اس کی قدرت رکھتی ہے۔ دونوں کے امتزاج ہی سے اس ہم آہنگی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو فن و ادب میں عقل و ادراک کی گنجائش ہی نہیں ادب کا تعلق انسانی جذبات سے ہے۔ عقلیت کی یہاں اتنی ہی ضرورت ہے کہ جذبہ بے لگام ہو کر دوڑنے نہ پائے۔ رہبانیت، یاسیت اور قنوطیت یہ سب زندگی کی توانائی کو کم کرنے والی چیزیں ہیں ادب میں ان کا راہ پانا زندگی کے لئے سخت مضر ہے۔ اسی طرح عقلیت اور افادیت کا زاویۂ نظر بھی زندگی کو کمزور بنا سکتا ہے اگر اسے آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا گیا۔ بجلی کی ہمیں اتنی ہی ضرورت ہے کہ مشین چلتی رہے۔ اگر برقی رو زیادہ تیزی کے ساتھ آگئی تو نقصان دہ ہو جائے گی۔ دال میں گھی ضروری چیز ہے ایک چمچ اور پڑ جائے تو اور بھی اچھا! لیکن صرف گھی پی کر تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہاں یہ انکشاف شاید دلچسپ ہو کہ محترمہ شورانی دیوی کے قول کے مطابق پریم چند کو دال میں گھی بے حد مرغوب تھا اگر کبھی اتفاق سے گھی نہ ملتا تو وہ کھانے تک سے انکار کر دیتے تھے!

اچاریہ برنارڈ شا بھی تو اپنے ناٹکوں میں عقلیت کو طنز و مزاح کی چاشنی میں پیش کرتے ہیں۔ وہ زبان سے عقل پرستی کا خواہ کیسا ہی نعرہ لگائیں لیکن جذبہ ان کے پور پور میں بھرا ہوا ہے۔ ورنہ وہ کیوں رولس رائس کار پر سوار ہوتے؟ کیوں معمولی بے بی آسٹن سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کی عقلیت پسندی پر مسز شا کا سایہ نہ ہوتا تو آج شاید وہ پاگل خانے کی ہوا کھاتے ہوتے۔ انسان نہ صرف عقل کا پتلا ہے اور نہ محض جذبات کا پیکر بلکہ اس کے یہاں ان دونوں کا موزوں امتزاج ہے اس لئے ادب کو بھی ان دونوں کی آویزش اور اعتدال کا مظہر ہونا چاہئے۔ عقل تو کہے گی کہ جذبات اور کیفیات فضول سی چیزیں ہیں۔ وصل اور ہجر، محبت اور نفرت، ہمدردی اور دردمندی یہ سب اس کی نظر میں ہیچ ہیں وہ تو صرف انصاف اور استدلال ہی کو زندگی کی اصل حقیقت سمجھتی ہے۔ اس کا سہارا لے کر ہماری انسانیت ایسی نحیف و نزار ہو جائے گی کہ ہوا سے اڑ جائے۔ ایک مثال لیجئے۔

ایک عورت کو کچھ غنڈوں نے گھیر لیا ہے اس وقت ایک مسافر ادھر سے آنکلتا ہے۔ اس کے جذبات بیدار ہو کر کہتے ہیں — بھگا دو ان غنڈوں کو اور اس دیوی کو ان کے چنگل سے نجات دلاؤ۔ لیکن عقل مانع آئے گی — میں اکیلا ان پانچ آدمیوں کا کیا سامنا کروں گا۔ فضول میں میری جان بھی جائے گی۔ یہ غنڈے عورت کو جان سے نہیں ماریں گے لیکن میرا تو خون ہی پی جائیں گے۔ یہاں جذبات کا تقاضا ہی انسانیت ہے اور عقل کی سفارش بزدلی اور کمزوری۔ اگر پیار اور محبت کے جذبات کو علیحدہ کر کے دیکھئے تو انسان کے اندر صرف توسیع نسل کی خواہش باقی رہ جاتی ہے لیکن شاید بابا آدم نے بھی

بقیہ ص ۱۲ پر

ہماری زبان

یکم اگست ۷۵ء

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

(۱)

۳۰-۳۱ جولائی کو جو اردو کانفرنس علی گڑھ میں ہوئی اس کی خصوصیات حسب ذیل تھیں :-

(۱) یہ ایک کاروباری اور سنجیدہ اجتماع تھا جس میں ملک کے ہر صوبے سے نمائندے آئے تھے۔

(۲) بحث میں صرف چند افراد نے نہیں بلکہ نمائندوں کی بڑی تعداد نے حصہ لیا۔

(۳) اجتماع میں بیشتر اہم مسائل زیر بحث آئے اور ان کے متعلق قابل قدر فیصلے ہوئے۔

(۴) نمائندوں میں انجمن کے ممبر، شاخوں کے نمائندے، ادیب، شاعر، صحافی، ناشر سبھی شامل تھے۔

(۵) انجمن کے علمی و ادبی، لسانی اور تعلیمی تینوں شعبوں پر تنقید ہوئی اور مناسب تجاویز منظور ہوئیں۔

(۶) جو لوگ یہاں سے گئے وہ کوئی سستا نشہ یا سطحی جوش لے کر نہیں بلکہ ایک عزم اور صحت مند شعور لے کر۔

(۷) شاخوں کے کارکنوں سے تبادلۂ خیالات کے ذریعے مرکز کو اپنی کوتاہیوں کا علم ہوا اور شاخوں کو اپنی خامیوں کا۔

(۸) بکھرے ہوئے ادیب، شاعر، کارکن، صحافی اور ناشر مل کر بیٹھے اور ان کو ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب ہونے [illegible]

(۹) چونکہ دعوت نامے محدود تعداد میں بھیجے گئے تھے اس لئے شرکاء کی تعداد موسم کی سختی اور بیماری کو دیکھتے ہوئے نہ صرف قابل اطمینان بلکہ حوصلہ افزا تھی۔

یہ باتیں دو اتنی نمایاں اور عظیم الشان ہیں کہ ہم بھولے دو مانیں اور یہ کانفرنس کی کامیابی کو ایک تنقیدی نظر سے دیکھ کر خوش بھی ہو جائیں۔ ورنہ اگر کبھی گزری ہیں کہ ان کا تذکرہ بھی نہ کیا جائے اور ان کی اہمیت کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے۔ ہماری قوم عجیب قوم ہے۔ اس کی سمجھ میں اعتدال تو آتا ہی نہیں۔ وہ کسی سے خوش ہوتی ہے تو اسے آسمان پر بٹھا دیتی ہے اور ایسے ایسے فضائل اس سے منسوب کر دیتی ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں اور جب خفا ہوتی ہے تو پھر آئے کوئی بات نہیں بنتی۔ اسے خلوص میں میل، شعور میں کمزوری، وسائل میں خشکی، سنجیدگی کی تلقین میں وعظ و پند نظر آتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتی ہے کہ دیو پیکر آدمیوں کا دور ختم ہو گیا۔ انجمن کے جو کارکن ہیں وہ معمولی آدمی ہیں۔ وہ خلوص سے اپنے شعور کے مطابق اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہ حالات زمانہ کا، ملک کی سیاست کا، ارباب اقتدار کے مزاج کا، قوم کی کیفیت ذہنی کا احساس رکھتے ہیں۔ مرکز سے لے کر شاخوں تک انجمن کے بیشتر کارکن اعزازی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انجمن کے وسائل ابھی اتنے نہیں کہ وہ پورے وقت کے لئے کارکن فراہم کر سکے۔ وسائل بڑھیں گے تو یہ بھی ہوگا۔ اس کی طرف پوری توجہ ہو رہی ہے۔ اعزازی کارکنوں پر صرف اخلاقی دباؤ ہوتا ہے اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ دباؤ مناسب فضا میں اور صحیح طریقہ کار میں سب سے زیادہ موثر اور کارگر ہوتا ہے۔ ہاں اگر بدظنی، بے اعتمادی، تنگ نظری، خود ستائی، اور خود پرستی عام ہو تو یہی سب سے زیادہ ناقص آلہ بھی ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی قوم پر اعتماد ہے۔ وہ اب بیدار ہو رہی ہے اور کھوٹے کھرے میں فرق کرنے لگی ہے۔ جو اچھے ہیں وہ ابھی زیادہ موثر نہیں ہیں۔ جو برے ہیں وہ اس وجہ سے برے ہیں کہ وہ اردو کی تحریک کو صرف تحریک کے مفاد کے معیار سے نہیں اپنے ذاتی یا سیاسی معیار سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً ہم نے بارہا اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انجمن کسی سیاسی جماعت کی پالیسی کی پابند نہیں ہے اور اس کو ایک قومی اور ادبی اور تہذیبی جماعت کی حیثیت سے ہر سیاسی پارٹی کے معقول لوگوں کی تائید حاصل ہے۔ مگر کچھ لوگ اس پر مصر ہیں کہ چونکہ انجمن کو حکومت سے امداد ملتی ہے، اس لئے وہ اردو کی تحریک کے سلسلے میں کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی اور چونکہ انجمن کے بعض ممتاز ممبر کانگریسی ہیں، اس لئے وہ حکومت کی پالیسی کے خلاف جدوجہد نہیں کر سکتی۔ حالانکہ ہم سب کو علم ہے کہ انجمن نے دستخطوں کی تحریک چلائی ہے، اردو کے اسکالر گروپ نے حکومت کو اس کی غلطیوں پر ٹوکا ہے، محاذ کی رہنمائی کی ہے۔ ملک میں اردو کے مقام اور منصب کو واضح کیا ہے اور اس سے بہت زیادہ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ لیکن وہ زہر میں بجھے ہوئے تند و تیز اور اشتعال انگیز مقالات لکھ کر لوگوں کو مشتعل نہیں کرنا چاہتی۔ ان کے جوش میں ہوش پیدا کرنا اور ان کے ارادوں کو استقلال سکھانا چاہتی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چند اخبارات میں طنزیہ مضمون لکھ کر اور سیاسی اختلافات کی بنا پر انجمن کے کارکنوں کے خلاف دل کی بھڑاس نکال کر اردو کی بڑی خدمت کر رہے ہیں انہیں یہ شغل مبارک ہو۔ آخر ہمارا ملک آزاد ہے اور تحریر و تقریر پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ گوارا نہیں ہے لیکن اتنا عرض کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حکومت سے کچھ منوانے کے لئے پہلے اپنے میں طاقت پیدا کیجئے۔ سب سے بڑی طاقت اخلاقی ہوتی ہے۔ یہ طاقت عقیدے کی پختگی، کردار کی صداقت اور سیرت کی خوبی سے آتی ہے۔ اس کے بعد مادی وسائل کی طاقت ہوتی ہے۔ اس

کے بعد تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر علمی شعور کی رہنمائی کا سوال آتا ہے۔ اردو کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے وطن میں اور اس کے مستقبل میں اعتماد، ہمت، اٹوٹ اعتماد کی ضرورت ہے اس بات کو صرف زبان سے کہنے کی نہیں دل میں جاگزیں کرنے، رگ رگ میں سرایت کرنے، شخصیت کا جوہر بنانے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کی روح انصاف کی خوگر ہے اسے بہکایا جا سکتا ہے مسخ نہیں کیا جا سکتا، جو لوگ اپنے وطن پر یہ اعتماد نہیں رکھتے وہ اردو کی مہم کو کبھی کامیاب نہیں بنا سکتے ان کے ذہنی وسوسے شبہے، شکوک، دوسروں کو برابر مسموم کرتے رہیں گے۔ ان کے دلوں کی گرہیں اس قومی مسئلے میں برابر پیچ ڈالتی رہیں گی۔ پھر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت ہمارے مطالبات مان لے تو بیڑا پار ہے اور حکومت سے کچھ منوانے کے لئے تھوڑے سے ہنگامے کی ضرورت ہے۔ بس اس ہنگامے کے لئے کچھ لوگوں کو ستیہ گرہ پر آمادہ کر لیا جائے۔ دو چار آدمی مرنے مارنے کی ٹھان لیں کچھ جیل بھر دئے جائیں تو حکومت دب جائے گی اور ہماری فتح ہو جائے گی، وہ خلوص تو رکھتے ہوں مگر شعور سے عاری ہیں۔ جمہوری حکومت میں اکثریت کی مرضی کو بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ سچی جمہوریت میں اقلیت کی پاسداری بھی ہوتی ہے۔ مگر ابھی ہم سچی جمہوریت کی منزل تک نہیں پہنچے۔ اکثریت میں سب متعصب نہیں ہوتے۔ ان میں بہت سے اقلیت کی ہمنوائی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں بشرطیکہ انھیں ہمارے مطالبات کا قومی پہلو نظر آ جائے۔ اردو کی ترقی کا کام ہمارا کام ہے اور ہمیں کرنا ہے حکومت کو اس کا فرض اس لئے یاد دلاتے رہنا ہے کہ وہ قومی حکومت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور قومی مسائل کو نظر انداز کرتی ہے اگر ہم اپنا کام خود کریں گے اپنا علمی اور ادبی سرمایہ اور عام کریں گے، اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اپنی تنظیم مضبوط کریں گے اپنی تحریک کا قومی رخ واضح کر سکیں گے تو یہی اکثریت اور حکومت ہمارے مطالبات خود تسلیم کرے گی اور نہ کرے گی تو ہم یا تو تسلیم کرا سکیں گے یا اس سے بے نیاز ہوں گے۔

(باقی آئندہ)

اردو دنیا

پارلیمنٹ میں اردو کی حمایت

پارلیمنٹ میں تعلیم کے بارے مطالبات زر کی بحث کے سلسلے میں ڈاکٹر سوشیلا نائر (کانگریس) نے کہا کہ ہندی تو ہماری قومی زبان ہے ہی اور اس کی ترقی کے لئے کارروائی ہو رہی ہے اردو ہمارے پورے ملک کی اور ہماری پرانی زبان ہے اور ملک کے ایک بڑے حصے میں بولی جاتی ہے ہمیں اردو کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔ اردو کے ساتھ دشمنی کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اردو کو نظر انداز کرکے ہم اپنے آپ کو ایک بڑے ورثے سے محروم کر دیں گے۔ یہ ایک بڑی دولت مند زبان ہے۔

کمیونسٹ ممبر مسٹر سرجو پانڈے (یو۔پی) نے کہا کہ اردو ہمارے ملک کی زبان ہے۔ اس مقبول زبان کی ترقی و بہبود کی طرف توجہ دینی چاہئے اور ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔

اسٹیشنوں پر اردو سائن بورڈ

ریلوے بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ریلوے سائن بورڈوں پر جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں انہیں ہندی کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی استعمال ہونا چاہئے۔ اس فیصلے کے مطابق جنوبی ریلوے اپنے علاقے کے سائن بورڈوں پر تامل، تیلگو، کناڈی، ملیالم زبانیں استعمال کرے گی۔ اسی طرح سنٹرل ریلوے اپنے علاقوں میں مرہٹی، مغربی ریلوے گجراتی، مشرقی ریلوے بنگالی اور شمالی ریلوے پنجابی اور اردو استعمال کرے گی۔

نیا اشاعت گھر

سوویت سائنس اکاڈمی کے مشرقی علوم کے انسٹی ٹیوٹ نے مشرقی ادب کی اشاعت کے لئے ایک نیا اشاعت گھر قائم کیا ہے اس اشاعت گھر سے نہ صرف روسی میں کتابیں شائع ہوں گی بلکہ مشرقی ملکوں کے ادب اور زبان کے مسائل کی طرف بھی توجہ دی جائے گی اور مشرقی ادب کی بہت سی قدیم کتابیں شائع ہوں گی جیسے "شاہ نامہ" اس کتاب میں فارسی اور روسی دونوں میں ساتھ ساتھ اشعار دئے جائیں گے۔

اردو رسم خط کا مطالبہ

"پیام وطن" دلی کی اطلاع ہے کہ بھوپال میں رہنے والے سندھیوں نے ایک جلسے میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ اردو زبانوں کی طرح سندھی زبان کو بھی اردو رسم خط*

* کے ساتھ تسلیم کیا جائے ڈاکٹر تلوانی، ڈاکٹر صوفی، لکشمن داس کیسوانی اور دولت رام صاحب نے تقریریں کیں بعد میں سندھی زبان میں ایک مشاعرہ بھی ہوا۔

اردو فلم کو انعام چیکوسلواکیہ میں کارلووی واری کے بین الاقوامی فلمی میلے میں ۴۴ ملکوں نے حصہ لیا اور تقریباً ستر فلمیں دکھائی گئیں اس میں ایک ہندوستانی فلم "رات کے سائے میں" کو پہلا انعام ملا۔

(بقیہ ص ۹ پر)

انجمن کی خبریں

سنگھ بھوم (جمشید پور)

۲۰ جولائی ۸۷ء کو ۳ بجے سہ پہر سے انجمن ترقی اردو (سنگھ بھوم) جمشید پور کی مجلس عاملہ کا ایک ترتیبی جلسہ زیر صدارت جناب حبیب آرزو ، انجمن کے عارضی دفتر میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئے اور ان کے متعلق فیصلے کئے گئے۔

مائل صاحب کی دیگر مصروفیات کی بنا پر ان کی مجبوریوں سے اتفاق کرتے ہوئے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور ان کی جگہ پر جوائنٹ سکریٹری جناب کیف پرتاب گڑھی کو جنرل سکریٹری اور جناب خیرت مورانوی کو جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا۔

انجمن کے لئے دفتر کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے صدر سے درخواست کی گئی کہ وہ کریم مینشن اور ساکچی جامع مسجد کے کمروں میں سے کوئی کمرہ حاصل کرنے کے لئے گفتگو کریں اور آئندہ جلسہ میں اس کی رپورٹ پیش کریں۔

نشر و اشاعت کی غرض سے علاقہ وار مشاعرے منعقد کرنے اور ہر مشاعرہ کو کسی نہ کسی ادیب کے نام سے موسوم کرنے اور مشاعروں کے ابتدائی حصوں میں ان ادیبوں کی خدمات و سوانح حیات پر روشنی ڈالنے کے انتظامات کا فیصلہ کیا گیا۔ اس غرض کے لئے آئندہ ۲ ماہ کے لئے یوم داغ ، یوم میر درد ، یوم ذوق ، یوم پریم چند ، یوم شبلی اور یوم حالی بالترتیب منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یوم پریم چند اور یوم حالی بڑے پیمانے پر منانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اول الذکر کے سلسلے میں مقامی اردو اور ہندی کے اہم اداروں سے اشتراک و تعاون کی اپیل کی جائے گی۔

جناب گرچرن سنگھ ، نائب صدر انجمن نے یہ تجویز رکھی کہ اداروں کو طباعتی پروگرام کی طرف بھی دھیان دینا چاہئے۔ علاوہ دیگر کے بعد یہ رائے ٹھہری کہ مرکز سے دریافت کیا جائے کہ اس سلسلے میں وہ ہماری کیا مدد کر سکتی ہیں۔

صدر انجمن جناب حبیب آرزو نے اپنے نمائندے مرکز اور ریاستی انجمن کے جلسوں کی شرکت کے لئے بھیجنے کے سلسلے میں دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی کہ اس غرض کے لئے ہمیں فنڈ اکٹھا کرنا چاہئے جس کی تمام ممبران نے تائید کی۔

کیف پرتاب گڑھی

ریاستی شاخ پنجاب کا جلسہ

انبالہ چھاؤنی میں ۲۷ جولائی کی شب کو انجمن ترقی اردو پنجاب کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت جناب اے جی ایمل ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل۔ ایل۔ بی انجمن صدر ہوا جس میں سب سے پہلے انجمن ترقی اردو پنجاب کے جنرل سکریٹری ملک اوم پرکاش آنند نے انجمن ترقی اردو ہند کی کانفرنس منعقدہ علی گڑھ کی کارروائی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انجمن ترقی اردو ہند ہی ملک میں اردو زبان کے احیا اور ارتقا کے لئے ایمان دارانہ کوشش کر رہی ہے اور انجمن کے فیصلوں کو پڑھ کر سنایا گیا۔ جس پر ملک اوم پرکاش نے ممبران سے درخواست کی کہ ان کو عملی جامہ پہنانے کی اشد ضرورت ہے اور ۵ / ۷ اگست کو یوم اردو منانے کی تیاریوں کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی گئی میٹنگ نے فیصلہ کیا کہ ایک وفد جلد از جلد وزیر تعلیم پنجاب کی خدمت میں حاضر ہو اور اردو زبان کے کیس کی وضاحت کی جائے۔ جس کے لئے انجمن کے جنرل سکریٹری نے وزیر تعلیم سے ملاقات کرنے کے لئے وقت مقرر کرنے کے لئے خط لکھ دیا ہے۔

اس کے علاوہ پروفیسر آر۔ ڈی ضیا صاحب نائب صدر انجمن نے فرمایا کہ ہمیں جلد از جلد تمام صوبہ میں اپنی شاخوں کی تشکیل مکمل کر لینی چاہئے تاکہ ہماری آرزو میں زیادہ اثر ہو۔

آخر میں جناب اے جی ایمل نے تمام ممبران کا شکریہ ادا کیا

آفس سکریٹری

انجم رومانی

غزل

تیز من د تو غم دنیا نے مٹا دی
آ ہم نے گلے شکوے کی ہر رسم اٹھا دی

پھر اہل وفا ناں تجدید وفا ہیں
کیا عشق نے ناکردہ گناہوں کی سزا دی

دل ڈوب چلا تھا مگر اے درد شب غم
اک بجھتی ہوئی شمع کی لو کس نے بڑھا دی

کیا دیکھ لیا ہے تری دنیا میں کہ دل نے
جب تازہ مصیبت پڑی جینے کی دعا دی

آیا نہ کسی کام جو دن رات کا رونا
آخر کو محبت نے زمانے کو صدا دی

شباب جعفری

بہار میں انجمن کی سرگرمیاں

مجلس عاملہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک جلسہ ۲۱۔ جولائی ۵ بجے شام کو زیر صدارت پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب انجمن اسلامیہ ہال میں منعقد ہوا۔ شرکا میں جناب عبدالقیوم انصاری صاحب پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب مولوی ایوب صاحب ایڈوکیٹ۔ پروفیسر اختر اورینوی صاحب، حافظ منظور حسین صاحب شاہ مشتاق احمد صاحب عزیزہ نقی امام صاحبہ نقی امام صاحبہ غلام سرور ایڈیٹر سنگم اور جناب صدیقی وغیرہ تھے۔

جناب جناب صدیقی نے گزشتہ چند مہینوں کی انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں کی تفصیلی رپورٹ پیش کی نیز حالیہ علی گڑھ اردو کانفرنس کے متعلق اپنے تاثرات و دیگر تعلیمی مسائل سے متعلق حالات بیان کئے۔ اس موقع پر غلام سرور صاحب نے بھی علی گڑھ کے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے۔ مجلس عاملہ کے ممبران نے چند اہم تجاویز کافی بحث و تمحیص کے بعد متفقہ طور پر منظور کیں جو حسب ذیل ہیں۔

طے پایا کہ ۱۵۔ اگست کو بہار کے گوشہ گوشہ میں یوم اردو منایا جائے اس سلسلے میں تمام تعلیمی، ادبی۔ صحافی۔ ثقافتی اردو اداروں سے اپیل کی جائے کہ وہ ۱۵۔ اگست کو یوم اردو کے پروگرام کو کامیاب بنائیں۔ حسب ذیل اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جو یوم اردو کے پروگرام کو ریاست بہار میں کامیاب بنانے کی صورتیں بروئے کار لائیں گے۔

(۱) پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب، عبدالقیوم انصاری صاحب ایوب صاحب، ایڈوکیٹ، اختر اورینوی صاحب۔ شاہ مشتاق احمد صاحب۔ غلام سرور صاحب، عزیزہ نقی امام صاحبہ۔ جناب صدیقی (کنوینر)

(۲) طے پایا کہ وزیر تعلیم بہار، وائس چانسلر بہار یونیورسٹی و مسٹر کارپوریشن سے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد ملے اور تعلیمی اداروں میں اردو کی راہ میں جو دقتیں پیدا ہو رہی ہیں انہیں جلد دور کرائے۔

(۳) بہار ریاستی، انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ تمام اردو دوستوں سے اپیل کرتی ہے کہ جامعہ اردو کی تحریک کو بہار میں کامیاب بنائیں اور پٹنہ میں قائم شدہ مرکز سے فائدہ اٹھائیں جامعہ اردو اپنے طریقہ تعلیم امتحانات کے ذریعے اردو کی ٹھوس خدمت کر رہی ہے اور ہر اردو دوست کو موقع ہے کہ اپنے مشاغل سے تھوڑا سا وقت بچا کر جامعہ اردو سے سند حاصل کر لیں۔

(۴) مجلس عاملہ کا یہ جلسہ بہار یونیورسٹی و پٹنہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے درخواست کرتا ہے کہ جس طرح مسلم یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں نے جامعہ اردو کی سند کو منظوری دے کر اس کے سند یافتگان کو دیگر امتحانات کی سہولتیں دی ہیں۔ وہی سہولتیں وہ بھی دینا منظور کریں۔

اس سلسلے میں سکریٹری کو اختیار دیا گیا کہ دونوں یونیورسٹیوں کے ارباب حل و عقد سے خطاب کریں۔

طے پایا کہ نومبر میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی سالانہ آل بہار کانفرنس منعقد کی جائے۔ کانفرنس کے انعقاد کی تیاریوں کے لئے پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب پروفیسر اختر اورینوی صاحب عبدالقیوم انصاری صاحب۔ شاہ مشتاق احمد صاحب۔ ایوب صاحب ایڈوکیٹ۔ غلام سرور صاحب ایڈیٹر سنگم۔ عزیزہ نقی امام صاحبہ جناب صدیقی (کنوینر) پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ کمیٹی کو دیگر حضرات کی شمولیت کا حق دیا گیا۔ ۳۰۔ ستمبر تک ممبر سازی کی آخری تاریخ مقرر کی گئی۔

دہلی

۱۹۔ جولائی کی شام کو انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی انتظامیہ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اس میں مرکزی انجمن کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق ۲۵۔ اگست کو یوم اردو منانے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ یہ کمیٹی اردو دوست حضرات مختلف سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں، یونیورسٹی اور کالجوں کے ذمہ داروں صاحبان سے مل کر یوم اردو کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون کرنے کی درخواست کرے۔ اس کمیٹی کی آئندہ میٹنگ ۲۴۔ جولائی کی شام کو ۵ بجے ہوگی اور اردو دوستوں کا ایک عام جلسہ اسی دن ۶ بجے شام کو ہوگا۔ تاکہ سب مل کر اردو تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے غور کریں اس سب کمیٹی میں جو اصحاب شامل ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب۔ لالہ شیام ناتھ صاحب، حاجرہ بیگم صاحبہ پرکاش پنڈت صاحب۔ ساحر ہوشیارپوری صاحب۔ حافظ علی بہادر خاں صاحب مولانا عبدالباقی صاحب۔ خوشتر گرامی صاحب معز الدین احمد صاحب۔ گلزار دہلوی صاحب۔ گیتر کنور ماتھر۔

انجمن کا وفد جے پور کو

اردو کانفرنس علی گڑھ میں راجستھان میں اردو کے مسئلے پر ریاستی حکومت سے گفتگو کے لئے ایک تجویز منظور ہوئی تھی اس سلسلہ میں جنرل سکریٹری کی خط و کتابت کے بعد چیف منسٹر سے ملاقات کی تاریخ ۴۔ اگست مقرر ہوئی ہے

اس وفد میں مولانا حفظ الرحمن۔ ڈاکٹر عابد الحلیم، پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن اور صدر ریاستی شاخ الطاف احمد صاحب خیری اور سکریٹری ریاستی شاخ احترام الدین صاحب شاغل شامل ہیں۔

مقدمہ شعر و شاعری پر

اودھ پنچ کی تنقید

محمد رشید الحق دسنوی شیخو آباد

دیوان حالی کے ساتھ مقدمہ شعر و شاعری کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اور مقدمہ پر اودھ پنچ لکھنؤ کی تنقید ۱۸۹۴ء میں نکلنی شروع ہوئی تھی۔ یوں تو دیوان حالی اور مقدمہ شعر و شاعری کے معلوم نہیں اس وقت تک کتنے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مگر میا روئے سخن مقدمہ شعر و شاعری کے اس ایڈیشن کی طرف ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے لاہور سے ۱۹۵۳ء میں اپنے حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے اس ایڈیشن کے صفحہ ۱۱ پر ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"مقدمے اور دیوان کی اشاعت پر بڑا شور ہوا۔ لکھنؤ والے اپنے شاعروں کی بے عزتی پر نالاں تھے۔ اس شور و غل میں تین صدائیں خاصی اونچی اٹھیں۔ اودھ پنچ منشی سجاد حسین نے وہ ادھم مچایا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب حالی بیٹھ کے رہ جائیں گے۔ لیکن زمانے کا ہاتھ منشی جی سے زیادہ طاقت ور نکلا۔ دوسرے حضرت احمد علی شوق قدوائی تھے جن کی ایڈیٹری میں اخبار آزاد نکلتا تھا۔ انھوں نے بھی خاصہ ہنگامہ کیا تیسرے حضرت (محمد علی گڑھ کے تعلیم یافتہ) حسرت موہانی تھے جنھوں نے اردوئے معلٰی میں آسمان سر پر اٹھا لیا آزاد۔ اودھ پنچ اور اردوئے معلٰی کے نام تک فنا ہو چکے ہیں۔ ڈفالی خیالی اور حالی کے نام بھی دنیا بھولتی جاتی ہے۔ یادگار کے طور پر یہ دو شعر رہ گئے ہیں:۔

اکبر ہمارے ملکوں سے حالی کا حال ہے
میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے
سید کی بات حضرت حالی سے پوچھئے
بدھو میاں کی بات ڈفالی سے پوچھئے

تین سال تک فضا میں یہی آوازیں گونجتی رہیں۔"

اخبار آزاد اور اردوئے معلٰی کی تنقیدوں سے تو میں واقف نہیں اس لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اتنا جانتا ہوں کہ اودھ پنچ کے فائل فنا نہیں ہوئے ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ وہ وہیں سے ایڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین نے اپنے اکبر نمبر کے لئے حضرت اکبر الہ آبادی کی نثر کے نمونے حاصل کر کے شائع کئے تھے۔

۱۹۳۰ء میں اودھ پنچ مرحوم کے پندرہ سو متفرق تاریخوں کے پرانے پرچے مجھے ایک کتب فروش کے یہاں پٹنہ سٹی میں مل گئے تھے وہ اس وقت الاصلاح لائبریری میں محفوظ ہیں۔ انھیں پرچوں میں ۱۸۹۴ء کے بھی چار نمبر ہیں جن میں سے تین نمبروں میں مقدمہ کی تنقید دل کے کچھ حصے پائے جاتے ہیں۔ اگر قریشی صاحب اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لئے اس کی نقل چاہیں گے تو میں بھیج دوں گا۔

سرسید کا انتقال ۱۸۹۸ء کے مارچ میں ہوا تھا اور سرسید کی لائف "حیات جاوید" مصنفہ مولانا حالی سرسید کی وفات کے چار پانچ سال بعد شائع ہوئی تھی۔ قریشی صاحب نے جو مندرجہ ذیل غلط شعر اودھ پنچ وغیرہ کی تنقید کے وقت کا لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

؎ سید کی بات حضرت حالی سے پوچھئے
بدھو میاں کی بات ڈفالی سے پوچھئے

اصل میں یہ شعر یوں ہے ؎

بابے میاں کا حال ڈفالی سے پوچھئے
سید کی سرگزشت کو حالی سے پوچھئے

اور اس کا قصہ یہ ہے کہ لکھنؤ سے طرحی اور غیر طرحی غزلوں کا ایک گلدستہ "پیام یار" کے نام سے منشی نثار حسین صاحب نکالتے تھے۔ اسی گلدستے میں کسی مسخرے شاعر نے ؎

بابے میاں کا حال ڈفالی سے پوچھئے

برگرہ لگانے کے لئے دیا تھا اور ایک روپیہ انعام رکھا تھا اور ایک منچلے شاعر نے دوسرا مصرعہ یوں لگایا تھا۔

؎ سید کی سرگزشت کو حالی سے پوچھئے

اور انعام کا مستحق ہوا تھا۔ یہ واقعہ حیات جاوید کی اشاعت کے بعد کا ہے۔ اور اس کو آزاد۔ اودھ پنچ اور اردوئے معلٰی کی تنقیدوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

مجید لاہوری

انفلوئنزا کے ہاتھوں اب کے دو قابلِ قدر دوست اٹھ گئے مجید لاہوری ــــــ اور ــــــ آغا محمد طاہر (مولانا محمد حسین آزاد کے پوتے)

مجید باغ و بہار تھے۔ سراپا قہقہہ، سراپا بذلہ۔ جس بزم میں جاتے خود بھی ہنستے اور لوگوں کو بھی ہنساتے۔ ان کی محفلیں لالہ زار ہوتیں۔ ان کی طبیعت نے اکتانا سیکھا ہی نہیں تھا۔ بس ہنستے اور ہنستے ہی چلے جاتے۔ وہ کراچی کے عوام پر چھائے ہوئے تھے انھوں نے زندگی کا آغاز مشکلات کی گود میں کیا تھا۔ آبائی شہر گوجرانوالہ تھا۔ لیکن اپنے آپ کو لاہوری لکھتے تھے۔ غالباً ان کے اسلاف لاہور سے گوجرانوالہ چلے آئے تھے۔ آزادی سے پہلے کراچی ہی میں اخبار نویسی کا آغاز کیا۔ اس زمانے میں غالباً کسی ہفتہ وار اخبار کے مدیر تھے۔ پھر لاہور آ گئے۔ یہاں مولانا سالک سے تلمذ اختیار کیا۔ راقم الحروف کے ساتھ "آزاد" اخبار میں "مدیر فکاہات" ہو گئے۔ لیکن طبیعت میں اضطراب تھا۔ چند دنوں بعد اصول کی مفارقت کے باعث الگ ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا ستارہ عروج پر آ گیا۔ انھوں نے "جنگ" اخبار کی دھاک بٹھائی اور جنگ انھیں عوام میں لے گیا۔ کراچی کے رکشا والوں سے لے کر سیٹھ یوب جی ٹاٹری بھی ان سے یکساں محبت کرتے اور ان کی باتوں سے یکساں لطف لیتے تھے۔ تمام مرکزی افسروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن عمر بھر کسی سے فائدہ حاصل نہ کیا وہ اس قابل ہی نہ تھے۔ لیاقت علی مرحوم سے لے کر اب تک جتنی مرکزی وزارتیں بنیں تقریباً سب وزراء سے ان کے بے تکلفانہ تعلقات رہے۔ وہ خود ہی بے تکلفی کے تعلقات پیدا کر لیتے۔ ان کی چھیڑ میں خون کا شائبہ تک نہ تھا۔ بس قہقہوں ہی قہقہوں میں سب کو اڑاتے جاتے۔ ہنسی کا گول گپا نظر آتے۔

لاہور تشریف لاتے تو اپنے پیر و مرشد سالک صاحب کے آستانے پر حاضری دے کر دفتریات میں بھی قدم رنجہ فرماتے یہاں ان کے بے تکلف دوستوں کا ایک ہجوم تھا۔ لیکن سب سے زیادہ گاڑھی دوستانہ بے تکلفی انھیں رشید اختر ندوی سے تھی۔ جو ان کے قہقہوں، پھبتیوں، طنزوں اور چٹکیوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے۔ اور ہمیشہ اپنا مہمان ٹھہراتے تھے ــــــ خواجہ شہاب الدین ان کے اس شعر سے بہت چڑتے ہوتے تھے ؎

ہم نے بی۔ اے کیا کلرک بنے
جو مڈل پاس تھے وزیر بنے

ان کے مزاح میں جو عمومیت اور عوامیت پائی جاتی ہے وہ

باقی ص ۱۲

آغا محمد طاہر

ادھر دہلی میں آغا محمد طاہر انفلوئنزا کی زد میں آ گئے ۱۹ جون کو انھوں نے بھی دوستوں کا پنڈ چھوڑ دیا۔ گویا موت بہانہ ہو گئی۔ مرحوم مولانا محمد حسین آزاد کے نواسے تھے۔ سال میں دو تین دفعہ پاکستان ضرور آتے۔ جناب سید جمیل حسین رضوی ان کے بہنوئی ہیں۔ انھی کے ہاں ٹھہرتے۔ جتنا عرصہ یہاں قیام ہوتا دوستوں سے محفلیں جماتے۔ دن بھر خوش گپیاں ہوتیں۔ قہقہے چلتے۔ زبان کترنی کی طرح چلتی تھی۔ اتنی منجھی ہوئی اردو بولتے کہ فقرے کی نگینے جڑے ہوتے۔ ان کے نستعلیق لہجہ سے مرحوم دہلی یاد آ جاتی۔ وہ اپنے خصائص کے اعتبار سے ایک ادارہ تھے۔ نصف سے زائد زندگی لاہور میں بسر کی۔ انھیں دہلی سے زیادہ لاہور عزیز تھا لیکن اپنے دوسرے عزیزوں کے برخلاف دہلی ہی میں قیام کیا۔ سیاست سے برائے نام دلچسپی بھی نہ تھی۔ یعنی عملاً کسی جماعت سے کبھی وابستہ نہ رہے۔ آزاد تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے انتہائی عقیدت رکھتے۔ جب کبھی لاہور تشریف لاتے ایک ایک دوست کے ہاں جاتے اکثر دہلی کے احوال و وقائع پر سرد آہ کھینچ کر تبصرہ فرماتے یا پھر قہقہوں ہی قہقہوں میں کوئی سرگزشت چھیڑ دیتے۔

"میاں! ہم تو جیتے جی دو دفعہ اجڑے ہیں۔ پہلی دفعہ ۱۸۵۷ء میں جب غدر کا ہنگامہ برپا ہوا اور پردادا (مولوی محمد باقر) پھانسی پا گئے۔ دوسری دفعہ ۱۹۴۷ء میں کہ تمام خاندان تتر بتر ہو گیا۔ بھائی لندن میں، بہن لاہور میں بیٹا کراچی میں اور یہ عاجز دہلی میں

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

گورا رنگ۔ عمر تقریباً ۶۰ برس، آخری دنوں میں چہرے پر جھریاں ابھر آئی تھیں۔ جیسے کسی جنت عمارت میں کانٹ چھانٹ کی گئی ہو۔ ستواں ناک، چھریرا بدن۔ اب کسی قدر فربہی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ کھلا ماتھا، متحرک آنکھیں، گلے میں ڈھیلا کرتا سوزنی کا سفید پاجامہ پہنتے۔ پہناوا کھدر ہی کا تھا۔ سر پہ سفید ٹوپی رکھتے۔ چھڑی گھماتے آہستہ خرام بلکہ مخرام۔ طبیعت لہراتی تو آہو کی طرح چوکڑی بھرتے زبان میں کوئی پیچ اور کوئی خم نہ تھا۔ بے عیب اردو بولتے۔ دہلی کے محاوروں کا خزینہ تھے۔ کافی ہاؤس میں بڑے بڑے منچلے دوستوں کو آڑے ہاتھوں لیتے۔ اس سن و سال میں بھی چہو خوش اور آورد خوش کے دلدادہ تھے۔

ان کے اٹھ جانے سے دوستوں کی ایک یادگار گئی۔ ایک لالہ زار ویران ہو گیا۔

ذوق شمیم جا بہ جا کچھ تو مہک پھر محفل تو پرانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

باقی ص ۱۲

بقیہ: مجید لاہوری

ان کے کسی ہم عصر میں نہ تھی۔ ان کی موت سے فی الواقع ایک بزم اجڑ گئی، ایک محفل جاتی رہی، ایک جگری دوست مر گیا ایک بے تکلف شناسا جاتا رہا۔

افسوس! انھوں نے اپنی قدر خود نہ کی۔ کراچی نے اپنی زندگی کے ایک خوشگوار قہقہہ کو خود ہی مار ڈالا۔ ایک لطیفہ ہمیشہ کے لئے تعزیت کا نشان ہو گیا—— آزادی کے بعد انھوں نے شراب شروع کی۔ آہستہ آہستہ یہ شراب ان کی گھٹی میں پڑ گئی حتیٰ کہ خون و شراب میں کوئی فرق نہ رہا۔

انفلوئنزا نے آ لی۔

قلب نے حرکت کرنے سے انکار کیا۔

آخر ایک شمع جس نے مزاح کے دیوان عام کو آراستہ کیا تھا گل ہو گئی—— چالیس برس کی عمر میں وہ دوست اٹھ گیا جو قہقہوں کا صانع، چٹکیوں کا سوداگر، طنزوں کا پتلا اور دوستوں کا دوست بلکہ دشمنوں کا بھی دوست تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کریں۔

پھر کہاں دنیا میں ایسے ہم نشیں (جنگ ۵ [illegible])

بقیہ: آغا محمد طاہر

ہر سال ہندوستان سے پاکستان آتے اور لوٹ جاتے لیکن لسانی جھگڑوں کے سوا کبھی سیاسی جھمیلوں میں قدم نہ رکھا۔

ایک دفعہ راقم الحروف نے کہا۔ "آغا! وہاں کیا رکھا ہے، یہاں چلے آؤ۔" چپ سے ہو گئے پھر کہنے لگے۔

"آغا بھائی! وہاں بہت کچھ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ زندگی بھر کے ساتھیوں کو دغا دے آؤں۔ دادا ابا کی دہلی چھوٹتی نہیں" کسی دوست نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے آغا! یہاں کیا رکھا ہے، یہاں تو .....؟"

بات کاٹ لی۔

"نہیں بھائی خدا کا شکر کرو، یہ تمھارا اپنا ملک ہے۔"

([illegible])

اردو اخبارات و رسائل مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے پارلیمنٹ میں جو معلومات فراہم کی ہیں اس کی رو سے ہندوستان کی کل زبانوں میں جملہ ۲۷۵۰ جرائد شائع ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہندی کے پھر انگریزی اور بنگالی کے ہیں، چوتھے درجہ پر اردو کا نمبر ہے یعنی اردو کے ۵۸۳ اخبار شائع ہوتے ہیں۔

بقیہ: اردو دنیا

عجیب ہندی کی تائید میں ایک نظم پنجابی زبان میں اردو کے ایک مشہور اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ تائید ہندی کی، زبان پنجابی اور رسم خط اردو ہے

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اس نظم کا مضمون اگرچہ کسی عنوان سے اردو دنیا کے کالموں میں نہیں آسکتا ہے۔ مگر ہے دلچسپ۔ شاعر نے ہندی کو سیتا جی سے اور وزیر اعلیٰ پنجاب کو راون سے تشبیہ دی ہے۔

تمہی بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے۔

اردو کے بغیر یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ پنجاب میں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں کے رائے دہندوں کی فہرستیں اردو میں ہیں اب انھیں پنجابی اور ہندی میں منتقل کرنے والے لوگ میسر نہیں آتے اس لئے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے ہیں

بہت سی ہندی پنجابی درخواستیں افسر نہیں پڑھ پاتے اور اردو میں درخواستوں کا چلن اٹھ گیا۔ اس لئے بہت سے کام رکے پڑے ہیں لوگ اور کارندے پریشان ہیں

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں!

تلگو اردو ٹیچر ایس۔ این غوث محی الدین صاحب ہندستانی بک ڈپو کڈپہ (آندھرا) اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے "تلگو" زبان کی مدد سے اردو قاعدہ بالکل آسان طریقے پر ترتیب دیا ہے۔ اس کا نام "تلگو اردو ٹیچر" رکھا گیا ہے۔ قیمت بھی کم ہے تاکہ ہر خاص و عام فائدہ اٹھا سکے یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ یہ قاعدہ بغیر استاد کی مدد کے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس سے بہت جلد اردو لکھنا پڑھنا آجائے گا۔

ماسٹر جی کا نیا مطالبہ ماسٹر تارا سنگھ نے فرمایا کہ ہندی والے اپنے تعصب اور تنگ دلی کی وجہ سے مقامی زبانوں کو دبانے کی فکر میں ہیں اس لئے میرا خیال اب یہ ہے کہ تمام ملک میں سرکاری زبان انگریزی ہونی چاہئے جو بین الاقوامی زبان ہے اور جس کی وجہ سے ملک میں اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔

اردو کانفرنس

انجمن کی اردو کانفرنس منعقدہ ۳۰-۳۱ جولائی ۱۹۵۰ء میں شاخوں کی یہ رپورٹیں سنائی گئیں۔

یوپی حیات اللہ انصاری صاحب جنرل سکریٹری ریاستی شاخ نے یوپی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ابتدائی تعلیم کی طرف حکومت نے بہت کم توجہ کی ہے۔ بعض اضلاع میں کارروائی ہے۔ لیکن بعض اضلاع جیسے بنارس، بہرائچ اور گورکھپور میں باوجود کوششوں کے حکومت نے اردو میں ابتدائی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ نصابی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ درسی کتابیں اکثر نہیں ملتیں۔ وہ اول تو اتنی تعداد میں چھاپی نہیں جاتیں کہ آسانی سے فراہم ہوسکیں دوسرے جب چھپتی ہیں تو اغلاط سے پُر۔ اردو میں عدالتی کارروائی کے بارے میں حیات اللہ صاحب نے فرمایا کہ اکثر جگہ اردو میں فیصلے ناقابل قبول قرار دیے گئے اور ایک واقعہ تو ایسا پیش آیا جبکہ ایک جگہ کی اردو میں عدالتی کارروائی کو ہائی کورٹ نے مسترد قرار دیا۔ یوپی میں شبینہ مدارس بھی قائم کئے گئے ہیں۔ لکھنؤ میں ان کی تعداد اس وقت پانچ ہے۔ ان مدارس سے پچھلے سال تقریباً ڈیڑھ سو طالب علم عورتیں اور مرد اور بچے پڑھ کر نکلے۔ ایک تجویز یوپی کی شاخ کے سامنے ان مدارس میں خاطرخواہ امتحانات قائم کرنا ہے آخر میں حیات اللہ صاحب نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ تنظیمی معاملات میں انجمن کی کارگزاری اتنی وقیع نہیں ہے جتنی کہ ہونا چاہیے۔

راجستھان راجستھان کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے مولوی احترام الدین شاغل صاحب جنرل سکریٹری ریاستی شاخ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ پیشتر راجستھان کی اکثر ریاستوں کی سرکاری زبان اردو تھی۔ لیکن آج اردو کی تعلیم بیشتر ریاستوں سے خارج ہو چکی ہے۔ پچھلے سال راجستھان میں انجمن ترقی اردو کی کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے شاغل صاحب نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ کانفرنس کی بعض سفارشات خاص طور پر اردو میں سرکاری اور عدالتی کارروائی والی تجویز جو گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدے داروں کی خدمت میں بھیجی گئی تھی اس کا کوئی معقول جواب نہیں ملا اور اکثر جوابات تو تعجب خیز تھے۔ انھوں نے اس بات پر بہت افسوس ظاہر کیا کہ اردو کی ایک قابل لحاظ آبادی ہوتے ہوئے بھی اردو سے بڑی ناانصافی ہو رہی ہے اور یہ ہماری جمہوری حکومت پر بدنما داغ ہے۔

پنجاب کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے جناب اوم پرکاش صاحب جنرل سکریٹری ریاستی شاخ نے فرمایا کہ اب صحیح معنوں میں کہیں جاکر انجمن ترقی اردو کی شاخ کی پنجاب میں تشکیل کا کام شروع ہوا ہے اس شاخ نے خاموش لیکن پرجوش جدوجہد اردو دشمنی کے خلاف شروع کردی ہے۔ الیکشن میں خاص طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ پنجاب کی سب سے مقبول زبان اردو ہے۔ پنجاب کی شاخ کی طرف سے جو نمائندے وزیر اعلیٰ سے ملے ان کو وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ عنقریب احکامات جاری کردیئے جائیں گے کہ ضروری سرکاری کارروائی اردو میں بھی ہونے لگے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ انجمن کی شاخ نے ابھی کوئی مہم اس لئے شروع نہیں کی ہے کہ پنجاب کی طوفانی سیاست میں کہیں الجھ کر نہ رہ جائیں۔ حالات سازگار ہونے پر اردو کو سرکاری زبان بنوانے کی مہم شروع کی جائے۔

دہلی دہلی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے شہیدہ سلطان صاحبہ جنرل سکریٹری ریاستی شاخ کی طرف سے مولانا حفظ الرحمٰن نے فرمایا کہ سب سے بڑا مسئلہ جو اس وقت انجمن کو درپیش ہے وہ انجمن کی تنظیم کا مسئلہ ہے۔ تنظیمی امور کی طرف توجہ نہ دینے کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ شاخ کی کارروائی اور اس کی کارکردگی کی رفتار کا کوئی اندازہ نہ ہوا۔ کوشش کی جارہی ہے کہ اس کمی کو جلد سے جلد پورا کیا جائے۔

بہار بہار کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے جناب غلام سرور جنرل سکریٹری ریاستی شاخ نے فرمایا کہ کام کی ترقی کے اعتبار سے بہار میں ہماری تحریک سب سے اچھی حالت میں ہے۔ بہار میں اس وقت ۸۷ شاخیں ہیں، اور ۱۵ اردو کے کتب خانے ہیں۔ شاخ کی کوشش سے پٹنہ میں ایک عربی اور فارسی کا تحقیقی ادارہ قائم ہوا ہے جس کے مصارف کی رقم گورنمنٹ سے حاصل ہوئی اس کے علاوہ اردو میں رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں کاغذات قبول کرنا منظور کرلیا ہے۔

بمبئی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے شہاب الدین دسنوی صاحب نے فرمایا کہ بمبئی میں اردو کی یہ حالت ہے کہ ساری ریاست میں اردو پرائمری اسکول قائم ہیں۔ بمبئی شہر میں میونسپلٹی کے اسکولوں میں ۲۵ ہزار طالب علم اردو میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اردو کی بمبئی میں وہی حالت ہے جو مرہٹی اور گجراتی کی۔ دسنوی صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ بمبئی کا تجربہ یہ ہے کہ اگر تمام انجمنیں جو اردو کا کام کراتی ہیں آپس میں مل کر تقسیم کار کرلیں تو پوری تحریک کو تقویت پہنچتی ہے۔

نوٹ: حیدرآباد دکن کے جنرل سکریٹری اپنی شدید علالت کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اور میسور سے بھی کوئی صاحب نہ پہنچ سکے اس لئے ان دو جگہوں کی شاخوں کی رپورٹ نہیں پیش ہوسکی۔

ہماری زبان کی سالانہ قیمت تین روپے ہے دی پی سے ۳ روپے اور منی آرڈر سے ۲ روپے صرف آتا ہے

لغت اور استعمال عام

الفاظ قسم اول جزو (الف)

(ایک سلسلہ کی گزشتہ سے پیوستہ)

(قسم اول چند لغت میں ایسے الفاظ شامل ہیں جن کی لغات میں دو حرکات درج ہیں لیکن اردو میں صرف ایک حرکت مستعمل ہے ان کو صرف مستعمل حرکت ہی کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے اور ان کی اصلی حرکت کو قطعاً ترک کر دینا چاہیے مثلاً حنون کہ در اصل بہ کسرہ و بہ فتح عین آتا ہے۔ اردو میں صرف بضم عین مستعمل ہے۔ اس لئے اب اس کی حرکت اولیں ساقط ہیں اگر کوئی شخص اس کو بہ کسر عین استعمال کرے گا تو اردو کے اعتبار سے بالکل غلط ہوگا)

کفن — لباس میت — عربی میں بہ فتح فا ہے۔ فارسی میں بہ سکون فا بھی استعمال ہوا ہے۔ "از تہ جیفہ خواہد کفن گزند" (شفائی) اردو میں صرف بہ فتح فا ہے۔

نفرت — ضد محبت — لغت میں بہ فتح و بہ کسر نون ہر دو طرح ہے اردو میں صرف بہ فتح نون مستعمل ہے۔

نیزہ — بھالا — فارسی لغات میں اس کو عموماً بالفتح لکھا ہے۔ البتہ غیاث میں لکھا ہے کہ "بالکسر شہرت دارد" اردو میں صرف بالکسر بولتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

ہجر — جدائی — عربی میں بہ فتح ہا ہے۔ فارسی لغات میں بھی اس کا فتحہ مذکور ہے۔ نیز ایرانی شعراء نے اس کو ہمیشہ فجر وغیرہ کے قافیے میں استعمال کیا ہے۔ صرف صاحب نواد الالفاظ نے لکھا ہے کہ "اما از تتبع اہل ایران مسموع شود کہ محاورہ فصحائے پارس ہجر بالکسر ست" اردو میں صرف بہ کسر ہا مستعمل ہے۔

یوسف — پیغمبر معروف — لغات میں سین مفتوح، مکسور، مضموم، تینوں طرح ہیں۔ لیکن اردو والے اس رنگا رنگی سے نا آشنا ہیں۔ وہ صرف بہ ضم سین بولتے ہیں۔

نثار — نچھاور کرنا — عربی میں بہ کسر نون کے معنی ہیں نچھاور کرنا اور یہ مصدر ہے اور بہ ضم نون کے معنی ہیں وہ چیز جو نچھاور کی جائے (صراح) فارسی میں یہ صرف اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے مصدر بنانے کے لئے کسی صلہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ مثلاً نثار کردن۔ اردو میں فارسی ہی کے طریقہ پر صرف بالکسر آتا ہے۔

شمشاد — سرو کی ایک قسم — فارسی لغات میں اس کی متعدد حرکات درج ہیں۔ خان آرزو نے بہ کسر اول لکھا ہے (بحسب روایت غیاث) برہان جہانگیری فرہنگ ناصری میں بہ فتح و بہ کسر اول دونوں طرح لکھا ہے۔ بہار عجم میں صرف بالکسر لکھا ہے۔ اردو والے صرف بہ فتح شین استعمال کرتے ہیں۔

قلعہ — معروف — قلعہ میں اصلاً لام ساکن ہے لیکن اردو میں عام طور پر لام کو مفتوح کر کے عین و ہا کو ساکن کر دیتے ہیں۔ لغت میں قاف مفتوح بھی ہے اور مکسور بھی۔ اردو میں صرف قاف مکسور و لام مفتوح مع عین و ہائے مخلوط مستعمل ہے۔ اور لغت والا تلفظ ہماری زبان پر بے حد گراں گزرتا ہے۔

کرشمہ — معروف — فارسی لغات میں اس کو بہ کسر ہر دو حروف اول، بہ فتح اول و کسر ثانی، بہ فتح ہر دو حروف اول، تینوں طرح لکھا ہے۔ اردو میں صرف بہ تحقیق درست ہے۔

درہ — کوڑا — عربی میں بہ کسر حرف اول تازیانہ کے معنی میں آتا ہے اور بہ ضم اول کے معنی ہیں "مروارید بزرگ"۔ فارسی میں تازیانے کے معنی میں بہ ضم اول بولتے ہیں (بہار عجم) اردو میں بھی بہ ضم اول مستعمل ہے

دماغ — عربی میں بہ کسر دال ہے۔ فارسی میں دال مفتوح ہے (منتخب۔ بہار عجم) اردو میں صرف بہ کسر دال بولتے ہیں

رشک — کپکپاہٹ، نام مرض — عربی میں یہ مصدر بھی ہے اور اسم بھی یعنی اس کے معنی لرزیدن اور لرزہ دونوں آتے ہیں اردو میں صرف اسم کے مفہوم میں بہ فتح حرف اول ہے

(باقی)

بقیہ: ادب میں عقلیت پسندی

جاتا چاہئے یہ نہیں کہا ہوگا کہ آؤ میں تم سے اولاد پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں بھی کچھ نہ کچھ ناز برداری کرنا پڑی ہوگی۔

اگر بھاشا والوں کا اظہار و بیان (جذبات سے عاری) اور گمتا ہونا ہے تو عقلیت پسندی کی یہ قطع اشاعت بھی ننگی بربریت سے کم نہیں پھر ایسی عقلیت پسندی کو ضابطۂ تحریر ہی میں کیوں لایا جائے جب اسے کوئی پڑھنا ہی گوارا نہ کرے۔ ابھی کسی عقلیت پسند ادبی ڈکٹیٹر کا راج تو ہے نہیں کہ وہ رومانیت پر دفعہ ۱۴۴ عائد کر دے۔ آپ عوام تک اسی وقت رسائی حاصل کر سکتے ہیں جب آپ ان کے دلی گہرائیوں ان کے جذبات اور احساسات کو بیان کرنے کی قدرت حاصل کرلیں۔ آپ کے ڈرامہ اور کہانی میں اگر جذبات کے لئے دلچسپی اور کشش کا سامان نہیں ہے صرف دماغ کی ورزش کے لئے خشک عقلیت ہی ہے تو ہدایت کار اور اداکاروں کے سوا ہال میں کوئی دیکھنے والا نہ ہوگا۔ ہنسنا اور رونا بھی تو جذبات ہی کے انداز ہیں۔ عقل کیوں روئے؟ رونے سے مردہ جی نہ اٹھے گا اور ہنسے بھی کیوں؟ جو چیز ہاتھ آگئی ہے وہ ہنسنے سے زیادہ قیمتی نہ ہو جائے گی۔ ایسا ادب اگر امرت بھی ہو تو بھی پڑا پڑا بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ ادب میں زندگی کو تب و تاب دینے کی صلاحیت ہونا چاہئے۔ یہاں تک تو ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن عقلیت پسندی ہی یہ تب و تاب دے سکتی ہے جذبات یہ توانائی دے ہی نہیں سکتے یہ ہم نہیں مانتے۔ معیاری ادب وہی ہے جس میں عقل و جذبہ کا فنکارانہ امتزاج ہو۔ عقل کے لئے فلسفہ ہے۔ علم ہے ہنر ہے — اور اس کی بادیہ پیمائی کے لئے بے کراں خطۂ ارض ہے کیا وہ ادب اور آرٹ میں بھی انسانی جذبات اور احساسات کو نہیں رہنے دینا چاہتی۔

(ہندی سے)

کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۱۔ آندھرا پردیش کی صنعتیں
۲۔ آندھرا پردیش میں قبائلی فلاح و بہبود
۳۔ آندھرا پردیش میں آب پاشی اور برقی پروجیکٹ
۴۔ آندھرا پردیش کی جان دار دولت۔ مویشی۔
۵۔ آندھرا پردیش میں غذائی پیداوار
۶۔ آندھرا پردیش کی دستکاری

ناشر: محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ۔ حیدرآباد

حجم ۱۸×۲۲/۸ - کاغذ۔ اچھا

اسلام کا سیاسی نظام مصنف مولانا محمد اسحق سندیلوی

ناشر۔ مکتبہ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ

حجم ۱۸×۲۲/۸۔ کاغذ عمدہ۔ صفحات ۳۱۱

ہمارا دوسرا پنج سالہ پلان

ناشر: پبلیکیشنز ڈویژن۔ دہلی

حجم ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۸۸ قیمت چھ آنے

کاغذ۔ اچھا

میر تقی میر کے اشعار کا انتخاب (ہندی)

ناشر: یونائیٹڈ پبلشنگ ہاؤس۔ بمبئی

حجم ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۶۳۔ کاغذ اچھا

قیمت ۵۰ نئے پیسے

(طابع و ناشر ... نے جینئس پرنٹرز ... میں چھپوا کر دفتر انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا)